Dareecha-e-Tahqeeq

دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972

VOL 5, Issue 2

www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر نقیب احمد جانؔ

صدر شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی صوابی

ڈاکٹر سعدیہ طاہر

اسسٹنٹ پروفیسر وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

کلامِ رحمان بابا کا اُردو ترجمہ از حمزہ خان شنواری؛ تجزیہ

Dr. Naqeeb Ahmad Jan

ChairpersonDepartment of Urdu, Women University Swabi.

Dr. Sadia Tahir

Assistant ProfessorDepartment of UrduFederal Urdu University, Islamabad

An Account Of The Translation Of Rahman's Poetry By Hamza Khan Shinwari.

Rahman baba is the most popular and beloved poet of the Pashtuns. Saidu Baba, a religious Scholar and Sufi of Swat once said if "Pashtuns asked to pray on a book other than Quran they would undoubtedly go for Rahman Baba's book." Rahman touched heights of the art of poetry. The horizons of simplicity and artfulness were crossed by him and that's why he became "The Poet of Pashtuns", to be loved and admired by each and every Pashtun since then.

Keywords: Translation, Hamza Khan Shinwari, . Saidu Baba, Rahman Baba's, admired

کلیدی الفاظ: رحمان بابا، حمزہ خان شنواری، ترجمہ، پشتو تراجم، صوفیانہ شاعری

پشتو سے اردو تراجم کے ضمن میں جو تراجم سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ان میں پشتو کے عظیم صوفی اور ہر دل عزیز شاعر حضرت عبدالرحمان بابا کے دیوان کے تراجم شامل ہیں۔ رحمان بابا کی شاعری کے مختلف تراجم اب تک منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ جن میں میر عبدالصمد خان، فارغ بخاری و رضا ہمدانی، امیر حمزہ خان شنواری اور پروفیسر طہ خان کے تراجم شامل ہیں۔ ان میں امیر حمزہ خان شنواری اور پروفیسر طہ خان نے رحمان بابا کے مکمل دیوان کے تراجم کیے ہیں۔ امیر حمزہ خان شنواری کا کیا ہوا ترجمہ "دیوانِ عبدالرحمان بابا مع اردو ترجمہ " کے نام سے پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور نے شائع کیا ہے اور پروفیسر طہ خان کا ترجمہ "کلیات رحمان" کے نام سے پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور کے زیرِ نگرانی زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔ رحمان بابا پشتو کے سب سے زیادہ ہر دل عزیز شاعر ہیں۔ وہ بہ یک وقت ہجرہ اور منبر کے شاعر ہیں۔ ایک طرف کلامِ رحمان بابا کو ہجرہ کی موسیقی کی محفلوں میں گھڑے اور رباب (رباب منگی) کے ساتھ گایا جاتا ہے تو دوسری طرف ائمہ مساجد جمعہ کے خطبات میں کلامِ رحمان بابا کو لوگوں کے لیے بطورِ پند و نصائح پڑھتے رہتے ہیں۔ رحمان بابا ایک صوفی شاعر کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے تاہم تصوف سے کہیں زیادہ ان کا کلام پند و نصائح کا مرقع ہے۔ ان کے دیوان میں اخلاقیات، دنیا کی بے ثباتی، اللہ تعالیٰ کی محبت، حقوقِ العباد، گناہوں سے پرہیز اور دینِ اسلام سے محبت کے موضوع پر ہر ہر صفحہ پر اشعار ملتے ہیں۔ مزید برآں رحمان بابا ایک باعمل صوفی گزرے ہیں اور ان کا مزار آج بھی

مرجع خلائق ہے۔

رحمان بابا کا تعلق پشتونوں کے بڑے قبیلے مہمند سے تھا۔ ان کی پیدائش پشاور سے ملحق ایک گاؤں بہادر کلی میں ہوئی اور زندگی کا بیشتر حصہ انہوں نے ہزار خوانی میں گزارا۔ ان کا مزار بھی "ہزار خوانی" میں واقع ہے۔ مشہور مستشرق میجر راورٹی کے مطابق

"وہ ہزار خوانی میں بود و باش رکھتے تھے۔"[i]

رحمان بابا کے خاندان، جائے ولادت اور بود و باش سے متعلق اب تک کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ رحمان بابا مہمند قبیلے کی ایک ذیلی شاخ غوری خیل یا غوریا خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد گرامی کا نام عبدالستار تھا۔ ان کے والد عبدالستار کا قیام بہادر کلی میں تھا کہ رحمان بابا کی ولادت ہوئی۔ رحمان بابا نے زندگی کا زیادہ تر حصہ پشاور شہر سے ملحق ایک گاؤں ہزار خوانی میں گزارا اور وہیں دفن ہوئے۔ رحمان بابا کی پیدائش اور وفات پر محققین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم رحمان بابا کے مزار کے کتبے پر ان کی ولادت اور وفات کے سال (ولادت: ۱۶۵۳ء) اور (وفات: ۱۷۱۱ء) لکھے ہوئے ہیں۔[ii] ان کے مزار پر آج بھی بہت سارے ملنگ و درویش جمع رہتے ہیں، لنگر چلتا ہے اور معتقدین مزار پر حاضری کے لیے آتے رہتے ہیں۔ رحمان بابا ایک اچھے عالم و فاضل، متقی اور عابد و زاہد شخص تھے اور عین عالمِ جوانی ہی میں انہوں نے دنیا کے عیش و آرام کو تج کر عشقِ الٰہی کی وادیوں کی سیر شروع کی۔ وہ ایک باعمل صوفی تھے اور ساری زندگی وہ تارک الدنیا رہے۔ انہوں نے درویشوں کی سی زندگی بسر کی اور دنیا کے عیش و آرام سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ پشتونوں کی رحمان بابا سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا پشتون ہو گا جو رحمان بابا کے نام سے واقف نہ ہو۔ رحمان بابا کا کلام صرف پشتونوں کے لیے نہیں وہ تمام عالمِ اسلام بل کہ تمام انسانیت کے لیے ایک آفاقی پیغام کا حامل ہے۔ ان کی زبان سے ہر انسان کے دل کی آواز نکلتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ان کا کلام بلاامتیاز ہر کسی کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور ایک وجد کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ مولانا عبدالقادر ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"رحمان ہر ایک کے دل کی باتیں اپنے میٹھے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ اس کی آواز ہر کسی کے کانوں تک پہنچتی ہے، عورت ہو یا مرد، ہر کوئی بے ساختہ اس کے کلام پر جھومتا ہے۔ اس کے کلمات ہر کسی کے دل میں اتر جاتے ہیں۔"[iii]

صرف اس حد تک ہی نہیں بل کہ اس سے بھی کچھ آگے بڑھ کر رحمان بابا کے کلام کی پذیرائی ان الفاظ میں ہوتی ہے کہ:

"سالکوں کا کہنا ہے کہ اگر قرآن کریم کے علاوہ کسی دوسرے کلام سے نماز جائز ہوتی، تو قرأت کی بجائے رحمان کے اشعار نماز میں پڑھے جاتے۔"[iv]

رحمان بابا کے کلام کی اس بے پناہ مقبولیت کے پیچھے کس حقیقت کا ہاتھ ہے؟ کون سی ایسی بات ہے جو رحمان بابا کے قدما، اس کے ہم عصر اور اس کے بعد میں آنے والے پشتون شعرا کے کلام میں موجود نہیں؟ کون سی ایسی خاصیت ہے جو رحمان بابا کے کلام کو ہر دل عزیزی کے معراج تک پہنچاتی ہے۔ کہ علما بھی اس کے کلام کے قائل ہیں، زاہدوں اور صوفیوں میں بھی یکساں مقبول ہے، ان پڑھ، غیر تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ دونوں طبقے ایک ہی طرح سے اس سے بہرہ مند اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ درویش اور فقیر تو کلام رحمان پر نچھاور ہوتے جاتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رحمان بابا ایک عظیم اور سچے فن کار تھے۔ وہ اپنے فن میں یکتا تھے۔ ماہرین کے خیال میں فن کی عظمت اس میں ہے کہ اس میں فن اور فن کاری کا وجود ہی کہیں قاری کو نظر نہیں آتا۔ جو بہت بڑا فن کار ہوتا ہے فن اس کے گھر کا ملازم بن جاتا ہے۔ وہ فن کارانہ باتیں اتنی سادگی سے کرتا ہے کہ کسی کو اس میں فن کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔ کوئی اس کو مشکل، دقیق اور مہارت طلب فن نہیں بل کہ عام زندگی کی عام سی چیزیں سمجھتا ہے۔ اور اس کے اندر چھپی ہوئی فن کاری کو عام لوگ نہیں بل کہ بڑے بڑے فن کار اور بڑے بڑے ماہرینِ فن ہی سمجھ سکتے ہیں۔ رحمان بابا ایک ایسے فن کار، ایک ایسے ہی ماہرِ فن تھے کہ اس نے فن کارانہ باتوں کو اتنا سہل اور آسان بنا دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس کے کلام کو سنتا ہے تو ایک قسم کی سرخوشی اور حیرت سے گزرتا ہے کہ ارے یہ تو بہت سادہ سی باتیں ہیں۔ یہی باتیں تو میرے دل میں تھیں۔ اور اس کو یہ گمان بھی گزرتا ہے کہ اس قسم کی باتیں اس پیرائے میں وہ خود بھی کر سکتا ہے، ایسے اشعار تو وہ خود بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن جب وہ لکھنے بیٹھ جائے تو اس کے بعد ہی اس کو رحمان بابا کی فن کاری کا پتہ چلتا ہے کہ اتنا آسان بھی نہیں ہے رحمان بابا کی طرح آسان اور سادہ سادہ سی باتیں کرنا۔ یہی فن کار کا کمال ہوتا ہے اور یہی فن کاری کی معراج۔ کائنات کے رازوں کو پانے کے لیے اپنے اندر کے کائنات کو مسخر کرنا لازمی ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ جس نے رب کو پہچان لیا اس نے اس کی مخلوقات کو پہچان لیا۔ ہر آگہی اور ہر علم کی ابتدا خود آگاہی سے ہوتی ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی ؎
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

اور جب فن کار اپنے اندر کی دنیا کو پہچان لیتا ہے، جب وہ اپنے اندرون کی کائنات کو مسخر کر لیتا ہے تو یہ بیرونی کائنات بھی اس کے مشاہدے میں آجاتی ہے۔ رحمان بابا نے اپنے آپ کو پہچان لیا تھا۔ وہ بصارت کی منزلوں سے آگے بڑھ کر بصیرت کی دنیا میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ زمان و مکان کے رازہائے سربستہ سے آگاہ ہو چکے تھے۔ عرفانِ ذات کے حوالے سے اس کے مشاہدات اتنے پختہ اور زیرک ہو چکے تھے کہ وہ کائنات کے رازوں سے انتہائی آسانی سے پردے اٹھاتے جاتے تھے۔ وہ ایک صاحبِ نظر بن چکے تھے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ۔ تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں[v]

وہ خبر کی حد سے گزر کر نظر کی دنیا میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے جذبات شدید، گہرے اور عمیق ہو چکے تھے۔ ان کے احساسات لطافت کی انتہا پر پہنچ چکے تھے۔ مولانا عبد القادر کے الفاظ میں:

"رحمان صاحبِ دل تھا۔ خبر سے گزر کر اہلِ نظر کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ مجاز سے حقیقت کے میدان میں اتر آیا تھا، یعنی فنا سے بقا کو پہنچ گیا تھا، وہ فنا، بقا، خبر، نظر، استغراق و محویت اور ہوش و بیداری کی تمام منازل سے آگاہ و باخبر تھا۔ قدرت نے اسے تڑپتا ہوا دل اور جگر عطا کیا تھا۔ بینا چشم اور رسا دماغ اور پھر ایک میٹھی، ملائم، نرم اور رنگین زبان، تو جب کوئی اس علم کی نہج پر گویا ہو جائے تو فن کار کا فن فطرت کا ترجمان بن کر پوشیدہ حقائق کو بے نقاب کر دیتا ہے۔"[vi]

اسی زیرک احساس اور چشمِ بینا نے کلامِ رحمان بابا کو وہ تاثیر بخشی جو بہت کم شاعروں کے کلام کو میسر آتی ہے۔ پیر سید ارتضیٰ علی کرمانی رحمان بابا کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"تصوف جس کی ابتدا حضرت خواجہ حسن بصری کے دورِ اقدس سے ہو چکی تھی اس کی ہمہ گیر اثرات یہاں بھی پہنچ چکے تھے۔ حضرت عبد الرحمان بابا ان ہی اثرات کا ثمر تھے۔ آپ نے بلاشبہ ان تمام لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنائی جو پشتو زبان بولتے تھے۔ یہ اثرات صدیوں کے بعد تا حال قائم ہیں۔ چناں چہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی شاعری اور آپ کا پیغام صرف ایک دور یا ایک نسل کے لیے نہ تھا بل کہ یہ ایک لافانی پیغام تھا جس کے اثرات آج بھی پشتو بولنے والوں پر قائم ہیں۔"[vii]

سید ارتضیٰ علی کرمانی کے مطابق رحمان بابا کا کلام لافانی کلام ہے یہ صرف ایک نسل یا ایک دور کے لیے نہیں بل کہ جب تک پشتو بولنے والے موجود ہیں رحمان بابا کی تعلیمات اور ان کا کلام زندہ و تابندہ رہے گا۔ ان کے کلام کے اثرات ختم ہونے والے نہیں جس طرح خواجہ میر درد نے فرمایا تھا:

تا قیامت نہیں جانے کا دلِ عالم سے ۔ درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں[viii]

بالکل اسی طرح رحمان بابا کے کلام کے اثرات دیرپا اور لازوال ہیں۔ اگرچہ رحمان بابا کی ذاتی زندگی کے احوال لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور آج تک کوئی ایسا محقق پیدا نہیں ہو سکا ہے جو حضرت رحمان بابا کی حالاتِ زندگی پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے پیچھے سے اس کے متعلق حقائق سامنے لا سکے، پھر بھی ان کے کلام کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک شعر دلوں کو گداز کرنے اور سننے والوں کو سر دھننے پر مجبور کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

رحمان بابا کا کلام اگرچہ پشتو زبان میں ہے اور اس کا مخاطب بھی پشتون ہے تاہم اس کے کلام میں اور اس کی تعلیمات میں ایک آفاقی پیغام ہے۔ اس حوالے سے یہ لازمی تھا کہ کلام رحمان بابا کے دنیا کی دوسری مروج اور ترقی یافتہ زبانوں میں تراجم کیے جائیں۔ اس طرح ان کے آفاقی پیغام سے پشتونوں اور پشتو کو سمجھنے والوں کے علاوہ دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والے اور دوسری اقوام بھی مستفید ہو پائیں گے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور کے بانی اور ڈائریکٹر مولانا عبد القادر صاحب جو کہ خود بھی ایک عالم فاضل شخص تھے اور پشتو کی ترویج و ترقی کا بیڑہ انہوں نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا تھا، نے رحمان بابا کے دیوان کو اردو میں ترجمہ کرنے کا بارِ گراں اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اس غرض سے رحمان بابا کی تین غزلوں کا اردو ترجمہ صوبہ خیبر پختونخوا (سرحد) کے نامور شعرا سے منگوایا اور ایک بورڈ بنا کر پھر ان تراجم کا جائزہ لیا۔ ان تراجم میں سب سے بہترین ترجمہ حمزہ شنواری کا کیا ہوا ترجمہ قرار پایا اور پھر رحمان بابا کے مکمل دیوان کو ترجمہ کرنے کی ذمہ داری امیر حمزہ خان شنواری کو سونپ دی گئی۔ حمزہ شنواری پشتو کے بڑے شاعروں میں سے ایک ہیں۔ پشتو میں شعر گوئی سے پہلے حمزہ شنواری اردو میں شاعری کیا کرتے تھے اور ان کا اردو ادبیات کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ایک تو حمزہ شنواری بہ ذاتِ خود نسلاً پشتون تھے پھر پشتو کے عظیم شاعر بھی، علاوہ ازیں وہ بھی رحمان بابا کی طرح طریقت پر عمل پیرا اور باعمل صوفی تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حمزہ شنواری مترجم کی حیثیت سے ترجمے کی سب سے اہم شرط کہ مترجم دونوں زبانوں کا علم رکھتا ہو، پورا اترتے تھے۔ وہ نہ صرف دونوں زبانیں بول اور سمجھ سکتے تھے بل کہ دونوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان ہی خصوصیات کی بنا پر حمزہ شنواری دیوانِ عبد الرحمان بابا کے اردو ترجمے کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوئے اور انہوں نے دیوانِ عبد الرحمان بابا کے ترجمے کا کام بہ طریقِ احسن انجام دیا۔ اس حوالے سے مولانا عبد القادر رقم طراز ہیں:

"سال ۱۹۵۸ء میں یہ فیصلہ ہوا کہ پشتو کے مشہور صوفی شاعر عبدالرحمان بابا کے دیوان کا اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد نے ایک مختصر کمیٹی مقرر کی۔ تاکہ دو باتوں کا فیصلہ کرے۔ ایک یہ کہ رحمان بابا کے دیوان کا ترجمہ نظم میں ہو کہ نثر میں۔ دوسرا فیصلہ اس کمیٹی کے ذمہ یہ بھی تھا کہ اس کام کے لیے کسے منتخب کیا جائے۔ اس کمیٹی کو طلب کرنا میرے ذمہ تھا۔ اور اس کے اراکین پروفیسر صاحب زادہ محمد ادریس، مولانا عبدالقدوس، پروفیسر محمد طاہر فاروقی، سید انوار الحق، سید عظیم شاہ خیال بخاری، قاضی ہدایت اللہ اور مولوی محمد اسرائیل صاحب تھے۔ کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ رحمان صوفی شاعر ہیں اور اگر نثر میں اس کے کلام کا ترجمہ کیا جائے تو کیف جاتا رہے گا۔ لہذا اس کے کلام کا ترجمہ اردو نظم میں کرنا چاہیے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس منظوم ترجمے کا کام کون کرے اس سلسلے میں ہم نے کئی شاعروں اور ادیبوں سے درخواست کی کہ وہ رحمان بابا کی تین غزلوں کا منظوم اردو ترجمہ ہمیں بھیج دیں۔ اس کمیٹی نے چند شعرا کے بھیجے ہوئے نمونے خوب پرکھے اور اس پر متفق ہوئے کہ ان مرسلہ ترجموں میں امیر حمزہ خان شنواری کا ترجمہ بہترین ہے۔ اس فیصلے کے بعد میں نے امیر حمزہ خان شنواری سے بات چیت کی اور اس نے ترجمے کا کام سنبھالا۔"[ix]

امیر حمزہ خان شنواری نے رحمان بابا کے مکمل دیوان کا ترجمہ تین سال کے عرصے میں مکمل کیا۔ ترجمہ اور پھر شعر کا شعر میں ترجمہ کتنا جان جوکھوں کا کام ہے اس کا تجربہ خود راقم کو بھی ہے۔ کبھی کبھی تو ایک لفظ کا متبادل ڈھونڈنے میں بہت زیادہ مغزماری کرنی پڑتی ہے۔ ایک طرف اگر اصل کلام کی تہہ تک پہنچنے کی ذمہ داری ہوتی ہے تو دوسری طرف (TL) میں کلام کے معانی و مطالب کو سمونے کی ذمہ داری مترجم کے کاندھوں پر ہوتی ہے جو کہ مترجم کے کام کو دشوار سے دشوار تر کرنے کا سبب بنتی ہے۔ ماہرین کے خیال میں ایک زبان کے شعر کو دوسری زبان کے شعر میں اس کے بھرپور تخیل، جذبے اور پیچ در پیچ معانی کے ساتھ ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ تاہم ضرورت کی تحت قریب ترین ترجمے کو درست اور بہترین مان لیا جاتا ہے اور وہ مترجم کامیاب ٹھہرتا ہے جس کے ہاتھوں (SL) کے اشعار کے معانی و مطالب کا (TL) میں ترجمہ کرتے وقت کم سے کم زیاں ہو۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ رحمان بابا ایک قادر الکلام اور پرگو شاعر تھے۔ ان کے ہاں فن اس مقام پر تھا جہاں قاری کو اس میں فن کا ادراک ہی نہیں ہوتا۔ فن کے اس مقامِ بلند و برتر پر پہنچ کر جب شاعری کی جاتی ہے تو اس کا ترجمہ کرنا انتہائی دشوار اور مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ ویسے بھی شاعری کا ترجمہ انتہائی مشکل کام ہے کیوں کہ شاعری کی زبان کسی متعین گرائمر یا طے شدہ اصولوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ اور یہاں سے ایک ماہر مترجم کے سامنے بھی مشکلات کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ اس بحرِ بے کنار میں کبھی ڈوبتا ہے کبھی ابھرتا ہے۔ پھر بھی کامیاب مترجم وہی ٹھہرتا ہے جس کے اندر تخلیق کار کی روح سما جاتی ہے۔ کیوں کہ جذبے اور خیال کی کشمکش سے دوچار ہونے کے باوجود حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مترجم اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔ اس کے باوجود مترجم کا کام ترجمے کی توسط سے اعلیٰ مقاصد کا حصول ہے جس کے لیے مختلف مترجم مختلف انداز اپناتے ہیں۔ کبھی لفظ بہ لفظ ترجمہ، کبھی بامحاورہ ترجمہ تو کبھی خیال و مفہوم کا ترجمہ۔ ترقی یافتہ ممالک میں ترجمے کے کام کو بہت زیادہ اہمیت و اولیت دی گئی ہے۔ اس حوالے سے وہاں ترجمے کے کام میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ ترجمے کے اصول، نظریات اور ماڈل بھی وضع ہو چکے ہیں۔ ان میں آندرے لافیور کا نظریہ عملی ضابطہ بندی System theory اہم ہے۔ جس کی رو سے ایک ترجمہ ایک طرح سے تخلیقِ نو کا عمل ہے۔ مترجم ایک طرف اصل مصنف کے کہے ہوئے کا پابند رہتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اصل مصنف کے خیالات کو ترجمہ کرتے ہوئے اگر اصل مصنف کی طرح سے تخلیقی کرب سے گزرتا ہے تو اس کے ترجمے میں جان آسکتی ہے۔ نیز اس کے لیے وہ مروج الفاظ و مرکبات کے علاوہ زبان میں نئے الفاظ، مرکبات اور اصطلاحات کا استعمال بھی کر سکتا ہے جو بذاتِ خود ایک تخلیقی عمل اور زبان کے حق میں نیک فال ہے۔ پھر ترجمے کے ضمن میں لفظ سے متن اور معانی کے تعلق کو جانچنے کے علاوہ ثقافتی جہتوں کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔ یہاں پر تخلیق کار اور ترجمہ نگار کا ایک ہی ثقافتی طائفے سے تعلق ہی ترجمے کے کامیاب ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔ عبدالرحمان بابا بھی پشتون ثقافت کے پروردہ ہیں اور فاضل مترجم امیر حمزہ خان شنواری بھی اسی پشتون کلچر و ثقافت کے ماحول میں پلا بڑھا ہے۔ دونوں میں کئی ایک مماثلتیں ہیں جو رحمان بابا کے دیوان کے کامیاب ترجمے کی ضامن ہیں۔ سید غفران الجیلی کے الفاظ میں:

"کامیاب ترجمہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب مترجم بھی بڑی حد تک اصل مصنف کے اوصاف کا حامل ہو۔"[x]

سید غفران الجیلی کے بیان کے تناظر میں دیکھا جائے تو امیر حمزہ خان شنواری اس شرط پر پورا اترتے ہیں۔ وہ مزید یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ مترجم کو صاحبِ اسلوب ادیب ہونا چاہیے اس کا طرزِ تحریر اور پیرایۂ بیان ایسا ہو کہ جو بات اصل مضمون میں بیان ہوئی ہو اس کو اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں اس انداز سے ترجمہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو کہ قاری کسی قسم کے ابہام کا شکار نہ ہونے پائے۔ ان خصوصیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کامیاب مترجم کے جو اوصاف ٹھہرتے ہیں حمزہ خان شنواری ان پر پورا اترتے ہیں۔

رحمان بابا نے اپنی زندگی میں اپنے کلام کو دیوان کی شکل میں خود مرتب نہیں کیا تھا۔ ان کے کلام کو بعد میں مختلف لوگوں نے جمع کر کے دیوان کی شکل میں چھاپا ہے۔ حمزہ شنواری نے رحمان بابا کے جس دیوان کا ترجمہ کیا ہے وہ ۱۹۴۸ء میں مولانا عبدالقادر اور مولوی فضل ودود نے مرتب کیا تھا۔ اس دیوان کے ترجمے کی ترتیبِ مندرجات کی تفصیل کچھ اس

طرح سے ہے کہ رحمان بابا کے اصل کلام کو اگر ایک صفحے پر درج کیا گیا ہے تو اس کے سامنے والے صفحے پر حمزہ شنواری کا ترجمہ درج ہے پھر اس صفحے کی الٹ پر حمزہ شنواری کا ترجمہ ہے اور سامنے والے صفحے پر رحمان بابا کا پشتو کلام۔ رحمان بابا کے اصل کلام کے ساتھ ساتھ اس کے بالکل عین سامنے حمزہ شنواری کے ترجمے کا یہ سلسلہ کتاب کے آخر تک اسی طرح برقرار رہا ہے۔ دیوان کو دو حصوں یعنی دفتر اول اور دفتر دوم میں تقسیم کیا گیا ہے۔ غزلیات کی ترتیب دیوان کے روایتی انداز میں ردیف کی ترتیب سے کی گئی ہے۔ دفترِ اول میں کل ۱۴۰ غزلیات ہیں جو کہ صفحہ نمبر ۵۱ سے شروع ہو کر صفحہ نمبر ۱۶۳ پر ختم ہو گیا ہے۔ دفترِ دوم میں رحمان بابا کی کل ۲۰۱ پشتو غزلیات، ایک اردو غزل اور دو بلا عنوان نظمیں جو کہ مخمس ہیئت میں ہیں، شامل ہیں۔ دفترِ دوم میں بھی اصل کلام اور ترجمے کی وہی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ دفترِ دوم صفحہ نمبر ۱۶۴ سے شروع ہو کر ۳۳۵ پر ختم ہوتا ہے۔ صفحہ نمبر ۳۲۷ پر رحمان بابا کی اردو غزل درج ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پوری کتاب میں صفحہ کا نمبر دو دفعہ استعمال ہوا ہے یعنی پشتو کلام کے صفحے کا جو نمبر ہے وہی نمبر اردو ترجمے کے صفحے کا بھی ہے۔ اس طرح پوری کتاب جو کہ ۳۳۵ صفحات پر مشتمل ہے اصل میں ۶۷۰ صفحات کی کتاب ہے۔

دیوان عبدالرحمان بابا کی پہلی نظم حمد باری تعالیٰ غزل کی ہیئت میں ہے۔ اس نظم میں نہایت دل نشین پیرائے میں رحمان بابا نے خالقِ ارض و سما کی صفات بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

ګوره هسې کردګار دے رب زما   چې صاحب د کل اختيار دے رب زما
نه ئې هيڅ حاجت په چا باندې موقوف دے   نه د هيچا منت بار دے رب زما
خوانندۀ د نا نويسو صحيفو دے   داننده د هر اسرار دے رب زما
که ظاهر دے که باطن دے که مابين دے   له همه و خبردار دے رب زما
شريک نه لرى په خپله بادشاهۍ کښې   بې شريکه شهريار دے رب زما
هيڅ تغير و تبديل نه لرى رحمانه   تل تر تله برقرار دے رب زما [xi]

ترجمہ: شعر نمبر ۱: میرا رب ایسا کردگار ہے جس کے ہاتھ میں جملہ اختیارات ہیں۔
شعر نمبر ۲: میرے رب کی کوئی حاجت کسی پر موقوف نہیں اور نہ ہی وہ کسی کا احسان مند ہے۔
شعر نمبر ۳: وہ ان لکھے صحیفوں اور سارے رازوں کو جاننے والا ہے۔
شعر نمبر ۴: وہ ہر ظاہر و باطن اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ بھی ہے سے آگاہ ہے۔
شعر نمبر ۵: میرا رب ایسا بادشاہ ہے جس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔
شعر نمبر ۶: اے رحمان اسے تغیر و تبدل کا سامنا نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک حالت پر برقرار ہے۔

حمزہ شنواری اس حمدیہ غزل کے پہلے شعر کا ترجمہ اس طرح سے کرتے ہیں:

ے   دیکھ ہے کردگار میرا رب   صاحبِ اختیار میرا رب [xii]

رحمان بابا کے شعر میں "صاحب د کل اختیار" کو حمزہ شنواری نے "صاحبِ اختیار" کیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ماسوا اللہ کے اوپر مکمل اختیار کا ذکر ہے۔ وہ مختارِ کل ہے۔ شیر شاہ ترخوی اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے حوالے سے کہتے ہیں۔ کہ رحمان بابا کا یہ شعر قرآن حکیم کی اس آیت "واللہ علیٰ کل شیءٍ وکیل" کی تفسیر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آیت کریمہ میں لفظ "وکیل" قابل غور ہے۔ اسی لیے کہ پورا راز ہی اسی لفظ وکیل میں پنہاں ہے۔ لفظ وکیل صفت کا صیغہ ہے جو مختار یعنی اختیار رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ وکیل وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں معاملے کا اختیار ہوتا ہے جیسا وہ چاہے ویسا کر سکتا ہے۔ رحمان بابا نے بھی اسی صفتی صیغے کو اپنے شعر میں اس قدر اعلیٰ طریقہ اور روانی سے جگہ دی ہے کہ اس واحد الوجود ذات کی صفات خوب اچھے اور سہل طریقے سے ذہن نشین ہوتی ہیں۔ اور انسان اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ ہی مختارِ کل ہے۔" [xiii]

حمزہ شنواری نے "صاحبِ اختیار" لکھ کر ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بے نیازی ہے۔ وہ خالقِ ارض و سما، مالکِ کون و مکاں ہے۔ کائنات کے تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے احسان مند اور زیرِ بارِ احسان ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اس کو نہ تو کسی حاجت روا کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حاجت ہے۔ نہ تو وہ کسی کا احسان مند ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایسی کوئی دوسری ہستی ہے جو اللہ تعالیٰ کو زیرِ بار احسان کرنے کی قدرت رکھ سکے۔ غالب کے الفاظ میں:

ے   جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ کا حق مخلوق سے کسی طرح بھی ادا ہو نہیں سکتا۔

نه ئې هېڅ حاجت ه چا باندې موقوف دے　　نه د هیچا منت بار د ے رب زما [xiv]

اس شعر کو رحمان بابا نے نفی کے انداز میں لکھا تھا ترجمہ اس کا اس طرح سے ہے کہ (نہ تو اللہ تعالیٰ کی کوئی حاجت کسی پر موقوف ہے اور نہ ہی وہ کسی کا منت بار واحسان مند ہے) حمزہ شنواری نے اس کو سوالیہ انداز دیا ہے۔

کس پہ موقوف اس کی حاجت ہے　　کس کا منت گزار میرا رب [xv]

نفی اور سوالیہ انداز سے ہٹ کر اگر دیکھیں تو ترجمہ بہت بھرپور ہے۔رحمان بابا نے جو بات پشتو شعر میں کی ہے حمزہ شنواری نے اس کو بڑی کامیابی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔

پشتو اور فارسی دونوں زبانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ گہرے روابط ہیں اور بہت سارے ایسے الفاظ جو فارسی الاصل ہیں پشتو میں مستعمل ہیں اسی طرح پشتو الاصل الفاظ فارسی میں بھی مستعمل ہیں۔رحمان بابا ایسے دور سے متعلق ہیں جب فارسی کا عمل دخل یہاں پر بہت زیادہ تھا۔اس حوالے سے رحمان بابا کی پشتو شاعری میں فارسی الفاظ اور فارسی مرکبات ملتے ہیں۔ان پر فارسی کے اثرات کافی گہرے ہیں:

خوانندہ د نانویسو صحیفو دے داننده د هر اسرار دے رب زما [xvi]

حمزہ نے "نانویسو" کا ترجمہ "نانوشتہ" کیا ہے جو کہ اتنا برا بھی نہیں لگتا تاہم ان کا دوسرا مصرع "ذات اسرار بار میرا رب" کچھ مہمل سا ہے اور رحمان کے شعر کے دوسرے مصرعے کی کماحقہ ترجمانی کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔

اس سے اگلے شعر میں رحمان بابا نے ظاہر و باطن کے ساتھ مابین کا لفظ بھی لگا دیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے خبیر و علیم ہونے کی صفت کا بہ درجہ اتم اظہار ہوتا ہے۔رحمان بابا فرماتے ہیں:

که ظاهر دے که باطن دے که مابېن دے　　له همه و خبردار دے رب زما [xvii]

حمزہ شنواری نے ترجمہ کرتے وقت مابین کے لفظ کو نظر انداز کر دیا ہے۔

باطن و آشکار جو کچھ ہے　　سب کا آئینہ دار میرا رب [xviii]

دوسرے مصرعے میں خبردار کی جگہ آئینہ دار لفظ وہ معنی دینے سے قاصر ہے جو رحمان بابا کے اصل شعر میں موجود ہیں۔

شرکتِ غیر سے منزہ ہے　　اک وہی شہریار میرا رب [xix]

رحمان بابا کے پشتو شعر میں 'بادشاہی' کا لفظ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بلا شرکتِ غیرے بادشاہی کا ذکر ہے۔حمزہ شنواری نے ترجمہ میں بادشاہی کے لفظ کو نظر انداز کیا ہے۔اس سے خیال اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف تو جاتا ہے لیکن بادشاہی اور بلا شرکتِ غیرے بادشاہی کی جو فضا رحمان بابا کے شعر میں ہے وہ حمزہ شنواری کے ترجمے میں دکھائی نہیں پڑتی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ حمزہ شنواری رحمان بابا کے شعر کو سمجھنے میں کوتاہی یا غلطی کر سکتے ہیں۔اپنی جگہ پر اس سے بہترین ترجمہ شاید ہی ممکن ہو۔اصل میں چھوٹی بحر کے انتخاب نے حمزہ بابا کو مجبور کیا ہے کہ وہ رحمان بابا کے کچھ الفاظ کو نظر انداز کرے اس کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔

مقطع میں "تغییر و تبدیل" کے دو مترادف الفاظ کے لیے حمزہ نے صرف 'تغیر' کا لفظ لایا ہے۔'تل ترتلہ' کے بہترین معنی 'ابدالآباد تک' ہو سکتے ہیں۔لیکن بحر کے اختصار کے کارن اس کے معنی حمزہ نے 'دائم' کر دیے ہیں۔لغت کے لحاظ سے معنی بالکل درست ہیں تاہم رحمان بابا کے ہاں شعر کی جو خوبی لفظ 'تل ترتلہ' کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اس کی اچھی ترجمانی لفظ 'دائم' سے نہیں ہو پا رہی۔

حسن الدین احمد کہتے ہیں:

"ایک زبان سے دوسری زبان میں شعر کا کامل ترجمہ تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔اور جب معاملہ شعری ترجموں کے منظوم ہونے کا ہو تو اس مشکل کا اندازہ لگانا بھی محال ہے۔" [xx]

اس کے باوجود حمزہ شنواری کے اس ترجمے کو اصل سے قریب ترین اور بہتر ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں بد قسمتی سے ترجمے کے کام کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جاتی اور اس حوالے سے باقاعدہ اداروں اور تربیت کا اہتمام نہیں کیا جاتا بل کہ جتنے بھی ترجمے ہوتے ہیں ان میں زیادہ تر ترجمے ایسے ہوتے ہیں جو ترجمے کے اصولوں اور تربیت یافتہ مترجمین کے ذریعے انجام نہیں پاتے۔ بل کہ مترجمین اپنی ذاتی استعداد اور علم کی بنیاد پر تراجم کا کام سرانجام دیتے ہیں لہذا ان میں کمی بیشی کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر عطش درانی رقم طراز ہیں:

"ترجمہ کے عمل میں تکنیک ترجمہ کاری پر پورا پورا عمل نہ ہو تو بیش ترجمہ over translation یعنی انتہائی طور پر، بے مقصد، غیر ضروری اور بے حد ترجمہ کر ڈالنے اور نیم ترجمہ under translation یعنی بہت کم حد تک ترجمہ کرنے کی بنا پر ترجمہ کے اصل مقصد یعنی مفہوم اور اسلوب کے ابلاغ میں کمی کا احتمال رہتا ہے۔"[xxi]

نثری ترجمہ میں شاید تکنیک ترجمہ کاری پر پورا پورا عمل کرنے سے ترجمہ بیش ترجمہ اور نیم ترجمہ کے سقم سے مکمل طور پر بچ سکتا ہو لیکن شعری ترجمہ میں وزن، بحر، ردیف قافیہ اور دوسری شعری پابندیوں کی وجہ سے شاید ایسا ممکن نہ ہو۔اس مشکل پر قابو پانے کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے کہا ہے:

"مترجم کا یہ فرض ہے کہ وہ مصنف کے لہجے اور طرزِ ادا کا خیال رکھے، لفظوں کا ترجمہ قریب قریب معنی ادا کرنے والے الفاظ سے نہ کرے اور ضرورت پڑنے پر نئے مرکبات بنائے، نئی بندشیں تراشے اور نئے الفاظ وضع کرے۔"[xxii]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے مترجم کے جو فرائض بیان کیے ہیں حمزہ شنواری اگر مکمل طور پر نہیں تو کم و بیش ان پر پورا اترتے ہیں۔ حمزہ شنواری نے ابتدائی طور سے تو کوشش کی ہے کہ ہر لفظ کے لیے اس کا ہو بہو ہم معنی لفظ اردو میں تلاش کرے۔ اگر اس کو ایسا لفظ نہیں ملتا جو ہو بہو وہی معنی اردو میں ادا کرے جو پشتو لفظ کے ہیں تو پھر انہوں نے قریب تر مترادف لفظ کا استعمال کیا ہے۔ پھر بھی رحمان بابا کے پورے دیوان کا ترجمہ ہے اور وہ بھی شعر میں۔ اس لیے ہر شعر کے لیے ایسے الفاظ ڈھونڈنا جو معنی اور مفہوم ادا کرنے کے ساتھ ساتھ شعر کے سانچے میں پوری طرح بیٹھ سکیں اگر ناممکن نہیں تو دقت طلب اور مشکل کام ضرور ہے۔اس لیے حتی الوسع کوشش کے بعد بھی اگر کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جو مکمل طور پر ہم معنی ہو یا قریب ترین مترادف، تو حمزہ شنواری نے آخری حربے کے طور پر نئے الفاظ اور مرکبات تراشنے کے کام سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔ یا ایسے نامانوس الفاظ و مرکبات کا استعمال جو عام لغات میں بھی میسر نہیں آتے بھی حمزہ شنواری نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے روا رکھا ہے۔ مثلاً

جو ہے پوشیدہ اوسط و ظاہر   اس سے واقف ددار میرا رب[xxiii]

اس شعر میں 'ددار' کا لفظ لایا گیا ہے اور وہ بھی مخفف صورت میں، نیچے حاشیہ میں لکھا گیا ہے کہ ددار 'دادار' کا مخفف ہے۔اور اس کے معنی ہیں پروردگار جو عام لغات میں نہیں ملتا۔ حمزہ شنواری نے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس کو ڈھونڈ نکالا ہے۔ایک اور شعر میں بھی اس لفظ کا استعمال اس طرح سے کرتے ہیں۔

خالقِ ہژدہ وہزار اقوام   ہے مربی محافظ و دادار[xxiv]

یہاں پر لفظ دادار اپنی مکمل صورت میں استعمال میں لایا گیا ہے۔اس ضمن میں چند ایک مزید مثالیں:

نانوشتہ صحف کا عالم ہے   ذات "اسرار بار" میرا رب[xxv]

"قند باری" جو ہے زباں سے میری   نہیں حلوائیوں کے ہاں وہ قند[xxvi]

بہرہ نکہت سے کسی کو جو خوشی میں ملتا   رہتا "چندن" سے نہ لپٹا ہوا افعی خونخوار[xxvii]

حیف کہ سنتے تو ہیں دیکھا نہیں   تیری لطافت جو "پری وار" ہے[xxviii]

رحمان بابا کی شاعری کی سب سے نمایاں وصف اس کی سلیس اور عام فہم زبان ہے جس کو ہر کوئی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اس کے باوجود کبھی کبھی اس میں ایسے دقیق اور نامانوس الفاظ در آتے ہیں جن کو سمجھنا ان پڑھ اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے تو در کنار کہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بھی مشکل تر ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ الفاظ حمزہ شنواری کے ترجمے کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں تو ہر کسی کے لیے عام فہم بن جاتے ہیں۔اس سے حمزہ شنواری کی علمیت کے علاوہ ان کی قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے کہ انتہائی آسانی سے رحمان بابا کے کلام کی تشریح و توضیح کا فرض بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً:

لکه نمر هسې جلوه کا په شفق کښې   چې په سر باندې اوډنی کا د شها

ترجمہ: گویا کہ آفتاب شفق میں ہے جلوہ گر   سر پر کبھی جو سرخ دوپٹا ہو یار کا[xxix]

په ایرو کښې پټ بخری   په وښو کښې پټ (ژور)

ترجمہ: ؎ راکھ میں جیسے ایک چنگاری گھاس میں جیسے اک چھپا ہو شرر[xxx]

درست جهان به قاف تر قافه معطر شي که يو ځله شانه ګډه په ګېسو کړې

ترجمہ: ؎ جہاں ہو سارا معطر افق سے تابہ افق سنوار و شانہ سے اک بار تم اگر گیسو[xxxi]

سخت ساعت د بېلتانه به مې هېر نه شي که را غونډه شي د تور لحد ګور هنډه

ترجمہ: ؎ غارِ سیاہ و تنگ لحد میں بھی بھول جائے سختی زمانِ ہجر کی مجھ کو یہ ہے محال[xxxii]

درج بالا اشعار کے علاوہ بہت سارے ایسے اشعار ہیں جن میں حمزہ شنواری نے ایک مفسر کا کردار ادا کیا ہے۔اور پشتو شعر میں جو نامانوس الفاظ ہیں ان کے معنی کو سہل بنانے میں حمزہ نے کاری گری دکھائی ہے۔اس طرح شعر عام فہم ہو گیا ہے اور ساتھ ساتھ شعر کے حسن کو بھی گہنایا نہیں بل کہ انتہائی دل کش اور خوب صورت انداز میں ترجمے کے ساتھ ساتھ ترجمانی کا فرض بھی ادا کیا ہے۔رحمان بابا نے کبھی کبھی انتہائی چھوٹی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں حمزہ شنواری نے ترجمہ کرتے وقت ان چھوٹی بحروں کے مقابلے میں نسبتاً لمبی بحریں استعمال کی ہیں۔اس طرح حمزہ شنواری کو یہ موقع ہاتھ آیا ہے کہ وہ رحمان بابا کی چھوٹی بحر میں کہی ہوئی بات کو نسبتاً لمبی بحر میں تشریحی انداز میں بیان کرتا ہے۔اور اس طرح غزل کے معانی بھی نکھر آتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ شعر کے حسن کو بھی کم ہونے نہیں دے رہے ہیں۔اس طرح کرتے وقت TL میں بیش ترجمہ کا سقم تو آجاتا ہے یعنی ایسے الفاظ بھی در آتے ہیں جو SL کے اشعار میں موجود نہیں تاہم ان الفاظ سے شعر کا مفہوم واضح تر ہوتا ہے،اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔چھوٹی بحر کی غزل کو لمبی بحر میں ترجمہ کرنے کی مثال:

که خپل زړه غواړې له چا ځان صیاد کړه د عنقا
د حباب کلاه په سر کړه سور په اس شه د هوا
لکه خضر هسې پاځه او به وخښه د بقا
له زمینه قدم کېږده په اسمان لکه عیسا
دا چې ما درته بیان کړه که حاصل کړې واړه دا
هاله طمع کړه رحمانه له خوبانو د وفا

اردو ترجمہ:

غمِ طلب جو ہے تجھ کو لٹے ہوئے دل کا ہنر وہ سیکھ کہ آجائے دام میں عنقا
کلاہ حباب کی پہنو یہ بحرِ ہستی ہے سوار اسپِ ہوا پر ہو آگے بڑھتا جا
مثال خضر بڑھو کیا ہے ظلمتِ ہستی کہ بس اسی میں تو آبِ بقا کا ہے چشما
اگر ہو پائے ریاضت تو کیا ہے اوجِ فلک مثالِ حضرتِ عیسیٰؑ قدم زمیں سے اٹھا
یہ جن کا میں نے بیاں کر دیا وضاحت سے یہ سب کے سب مجھے حاصل ہوئے اگر یک جا
تو اس کے بعد یہ امید رکھے بجا رحمان کہ شاہدانِ حقیقت سے دیکھ پائے وفا[xxxiii]

اس کے برعکس کہیں کہیں پر حمزہ شنواری نے رحمان بابا کی لمبی بحر کی غزل کو چھوٹی بحر میں بھی ترجمہ کیا ہے۔یہاں پر over translation بیش ترجمہ کے برعکس کم ترجمہ under translation کا امکان رہتا ہے اور کچھ الفاظ بھی چھوٹ جاتے ہیں تاہم حمزہ شنواری ایک قادر الکلام شاعر ہے،مزید یہ کہ وہ فارسی سے بھی واقف تھے لہذا اس صورت میں اختصار کے لیے وہ فارسی تراکیب کا استعمال کرتے ہیں۔اس طرح اگر لفظ چھوٹ بھی جاتے ہیں تو معنی میں دوری پیدا ہونے کے سقم سے وہ اپنے ترجمے کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔نسبتاً لمبی بحر کا چھوٹی بحر میں ترجمہ کرنے کی مثال حسبِ ذیل ہے:

ګوره هسې کردګار دے رب زما چې صاحب د کل اختیار دے رب زما
همګي بزرګواران چې څوک ئې وائي تر همه و بزرګوار دے رب زما

نه ئې هيڅ حاجت په چا باندې موقوف دے　　　نه د هيچا منت بار دے رب زما

اردو ترجمہ:

دیکھ ہے کردگار میرا رب　　　صاحبِ اختیار میرا رب

نام سنتے ہیں جن بزرگوں کے　　　سب سے والا تبار میرا رب

کس پہ موقوف اس کی حاجت ہے　　　کس کا منت گزار میرا رب[xxxiv]

په تندي چې اتش بل کړو مدام شمعې　　　ځکه بيا موندو له خلقو اکرام شمعې

په انوارو ئې منور اهل ابصار شو　　　لا به کله شي ښکاره د انعام شمعې

ستا مجلس د خاصو خاصو سرفرازو　　　د رحمان په څېر نه مومي هر عام شمعې

اردو ترجمہ:　　　ہے بر سرِ آتش مدام شمع　　　پاتی ہے جبھی اکرام شمع

اہلِ بصارت کو فیض اس سے　　　دیکھیں ملے کب انعام شمع

تمہاری محفل خواص کی ہے　　　نہ جیسے رحمان کے عام شمع[xxxv]

ترجمے کے ضمن میں ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر مترجم کو کسی لفظ کا ہم معنی لفظ نہیں مل رہا اور قریب و دور کا کوئی مترادف لفظ بھی اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تو وہ نئے الفاظ و تراکیب وضع کر سکتا ہے۔ یا SL کا لفظ ہو بہو ہی مستعار لے سکتا ہے کیوں کہ ترجمے کا ایک مقصد زبان کو وسعت دینا بھی ہے۔ حمزہ شنواری نے اس حوالے سے بھی اپنی استعداد و قابلیت اور اپنی علمیت دیوانِ عبدالرحمان بابا کے منظوم ترجمے میں دکھائی ہے۔

اگرچہ عشق کی منزل میں ہر قدم ہیں خار　　ولیک پہنے ہیں عاشق نے "آتشی پیزار"[xxxvi]

"قند باری" جو ہے زباں سے میری　　　نہیں حلوائیوں کے ہاں وہ قند[xxxvii]

نہ شمال و جنوب کا سیاح　　　اور نہ "دانندۂ یمین و یسار"[xxxviii]

کبھی کبھی حمزہ شنواری نے ضرورت کی تحت پورے مصرعے کو اردو کی بہ جائے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ جیسے:

"خالقِ ہژدہ و ہزار اقوام"　　　ہے مربی محافظ و دادار[xxxix]

توڑتے ہیں دہن کروں جو سخن　　　"دل بہ ناخن گزیدہ، آں پر فن"[xl]

حمزہ شنواری نے اکثر و بیشتر رحمان بابا کے پشتو قافیہ ہی کو اردو میں بھی اسی طرح استعمال کیا ہے۔ اس سے ایک طرف اگر رحمان بابا کے انداز اور شاعری کی روح کو قائم رکھنے میں مدد ملی ہے تو دوسری طرف وہ لوگ جو رحمان بابا کے پشتو کلام سے آگاہ ہیں ان کو ترجمے میں اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ مترجم ضرورت کی تحت SL کا لفظ ہو بہو لے سکتا ہے اور قوافی کو قائم رکھنے میں حمزہ شنواری نے ایسا کیا ہے۔ تاہم ایسا بھی نہیں کہ کلی طور پر پشتو الاصل اور اردو کی مزاج کے خلاف الفاظ کو بھی اس نے استعمال کیا ہے بل کہ اکثر و بیشتر تو رحمان بابا کے ہاں فارسی قوافی ہیں اور اردو میں یہ قوافی نہ صرف یہ کہ نامانوس نہیں ہیں بل کہ حمزہ شنواری ان کو برتنے میں حق بہ جانب بھی ہیں۔ ایک حوالے سے یہ حمزہ شنواری کو ترجمے کے معیار کو بہتر بنانے اور رحمان بابا کی شاعری کی روح کو قائم رکھنے کا ایک خوش گوار سبب بھی ہے۔

زه تېر شوے يم تر سر　　　په طلب د خپل دلبر

خو ژوندے يم په دنيا کښې　　　پرې به نه ږدم دغه در

د اشنا په طلب ګرځم　　　وچې شوندې لېمه تر

اردو ترجمہ:

کیا مری زندگی ہے کیا ہے سر　　　جب کہ دل سے ہوں طالبِ دلبر

زندگی جب تلک ہے عالم میں　　　چھٹ سکے گا کبھی نہ مجھ سے یہ در

یہ اسی کی طلب کا ثمرہ ہے   خشک رہتے ہیں لب تو چشم ہے تر [xli]

صرف قافیے کی حد تک ہی نہیں بل کہ کبھی کبھی حمزہ شنواری نے رحمان بابا کے ردیفوں کو بھی قافیے کے ساتھ ساتھ برقرار رکھا ہے۔ جیسے:

تل به نه وي شگفته بازار د عمر   نه به جوړ وي همېشه بهار د عمر

لکه سیند د اباسین په غورځنگ درومي   هسې یون دے په تلوار تلوار د عمر

بیا ئې وار په دنیا نشته دے رحمانه   په هر چا باندې چې تېر شي وار د عمر

اردو ترجمہ:

ہو شگفتہ کب تلک بازارِ عمر   تابہ کے یہ گرمئ بازارِ عمر

بہہ رہا ہے جس طرح دریائے سندھ   دوڑتے بھاگے ہے یوں رہوارِ عمر

لوٹ کے آنا نہیں رحماں یہاں   پھر کسے ملتی نہیں یاں بارِ عمر [xlii]

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ حمزہ شنواری نے رحمان بابا کے کلام کو بہت اچھی طرح سے سمجھا اور پرکھا ہے اس کے بعد انہوں نے نہایت چابک دستی اور مہارت سے اس کو اردو کے قالب میں ڈھال لیا ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں پر بیش ترجمہ، کم ترجمہ اور تصرف جیسی کمزوریاں بھی وارد ہوئی ہیں تاہم اتنی بڑی کتاب کے ترجمے میں ان باتوں کو نظر انداز کرنا ہی بہتر رہے گا۔ بحیثیت مجموعی حمزہ شنواری نے رحمان بابا کے کلام کو اردو کا جامہ پہنانے کا فرض بہ حسن وخوبی ادا کیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت حمزہ شنواری نے حتی الوسع اردو محاورے کا خیال رکھا ہے۔ انہوں نے جہاں مناسب سمجھا ہے لفظی ترجمہ کیا ہے جہاں مناسب سمجھا بامحاورہ اور جہاں مناسب سمجھا ہے آزاد ترجمہ کیا ہے۔ حمزہ شنواری نے انتہائی سادہ، عام فہم، نرم وملائم اور شیرین زبان استعمال کی ہے۔ اور اسی سبب سے رحمان بابا کی غزل کی روانی، مٹھاس اور شیرینی کو ان کے اردو ترجمے میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ان کے اس منظوم ترجمے کی خوبی ہی زبان والفاظ کا خوبصورت استعمال ہے۔ جہاں پر رحمان بابا کے ہاں موسیقیت وترنم موجود ہے وہاں پر حمزہ شنواری نے بھی اسی موسیقیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ رحمان بابا بھی موسیقی سے خاصی شغف رکھتے تھے اور ان ہی کی طرح حمزہ شنواری بھی موسیقی کے دل دادہ تھے۔ اسی مناسبت سے حمزہ نے رحمان بابا کی موسیقیت اور غنائیت کو حتی الوسع برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ رحمان بابا کی شاعری کی بنیادی وصف سوز وگداز ہے اور حمزہ شنواری نے رحمان کی شاعری کے سوز وگداز کو کم نہیں ہونے دیا ہے۔ رحمان بابا ایک درویش صفت صوفی تھے اور اہلِ دل تھے وہ لطیف اور پاکیزہ جذبات کے حامل تھے۔ بالکل اسی طرح حمزہ شنواری اسی لطافت اور پاکیزگی سے آشنا تھے۔ اتنی ساری مماثلتوں نے مل کر حمزہ شنواری کو اس قابل بنایا کہ وہ رحمان بابا کے دیوان کو بہ طریقِ احسن ترجمہ کرنے کا فرض انجام دے اور حمزہ شنواری اپنی اس کوشش میں بہت ہی کامیاب رہے ہیں۔ رحمان بابا کے دیوان کا یہ ترجمہ اردو دانوں کے لیے حمزہ شنواری اور پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور کا گراں قدر تحفہ ہے۔

حوالہ جات

i عبدالقادر، مولانا، عبدالرحمان سڑبنے، مشمولہ: دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۱۹

ii کتبہ مزار عبدالرحمان بابا، مزار واقع ہزار خوانی، پشاور (مورخہ: ۲۷ اپریل ۲۰۱۴ء)

iii عبدالقادر، مولانا، عبدالرحمان سڑبنے، مشمولہ: دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۲۸

iv عبدالقادر، مولانا، عبدالرحمان سڑبنے، مشمولہ: دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۲۸

v محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۷۸

vi عبدالقادر، مولانا، عبدالرحمان سڑبنے، مشمولہ: دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۱۹

vii ارتضیٰ علی کرمانی، سید، سیرتِ عبدالرحمان بابا، عظیم اینڈ سنز پبلشرز، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۵-۱۶

viii میر درد، خواجہ، دیوان درد، خیام پبلشرز، لاہور، فروری ۱۹۹۲ء، ص ۵۷

ix عبدالقادر، مولانا، عبدالرحمان سڑبنے، مشمولہ: دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۱۲

x غفران الجبلی، سید، فنِ ترجمہ کے اصول و مبادیات، مشمولہ ترجمہ روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ۸۹

xi رحمان بابا، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xii رحمان بابا، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xiii ترخوی، شیر شاہ، رحمان اور قرآن، اردو ترجمہ: عصمت سورانی، جدون پرنٹنگ پریس، پشاور، ۲۰۱۳ء، ص ۴۸

xiv رحمان بابا، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xv شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xvi رحمان بابا، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xvii رحمان بابا، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xviii شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xix شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xx حسن الدین احمد، فنِ ترجمہ، مشمولہ: فنِ ترجمہ کاری (مباحث) مرتبہ: ڈاکٹر صوبیہ سلیم، محمد صفدر رشید، ادارہ فروغ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء ص ۹۱

xxi درانی، عطش، ڈاکٹر، اردو میں ترجمہ کاری تربیت، مشمولہ: فن ترجمہ کاری (مباحث)، مرتبہ: ڈاکٹر صوبیہ سلیم، محمد صفدر رشید، ادارہ فروغ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء ص ۲۰۶

xxii جالبی، جمیل، ڈاکٹر، تنقید و تجزیہ، ص ۱۲۲

xxiii شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

xxiv ایضاً، ص ۶۲

xxv ایضاً، ص ۵۱

xxvi ایضاً، ص ۷۷

xxvii ایضاً، ص ۸۰

xxviii ایضاً، ص ۱۷۳

xxix شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۶۴

xxx ایضاً، ص ۸۸

xxxi ایضاً، ص ۹۳

xxxii ایضاً، ص ۱۹۲

xxxiii ایضاً، ص ۶۷

xxxiv ایضاً، ص ۵۱

xxxv شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۷

xxxvi ایضاً، ص ۸۳

xxxvii ایضاً، ص ۷۷

xxxviii ایضاً، ص ۸۲

xxxix شنواری، امیر حمزہ، دیوانِ عبدالرحمان مع منظوم اردو ترجمہ از امیر حمزہ خان شنواری، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، (اشاعتِ دوم) ۱۹۸۷ء، ص ۸۲

xl ایضاً، ص ۲۳۴

xli ایضاً، ص ۲۰۲

xlii ایضاً، ص ۱۹۹